دعوت اور کامیابی

سید اسعد گیلانی

اس میں کیا شک ہے کہ دعوتِ اِلیٰ اللہ اپنے وجود سے ہی کامیابی کا مطالبہ کرتی ہے اور کامیابی سے مراد دعوت کا غلبہ اور تسلّط ہے تاکہ نظامِ حق نافذ ہو اور نظامِ باطل سے سسکتی اور کراہتی ہوئی انسانیت کو نجات ملے۔ مخلوق پر ان کے خالق کا اور بندوں پر ان کے مالک کا حکم نافذ ہونا ایک ایسا حق ہے جسے کسی دلیل سے بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ لیکن باطل تو دھاندلی اور زبردستی سے حق کے خلاف سرکشی اور بغاوت کرنے کا نام ہی ہے اسے بھلا دلیل سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

اللہ کی بندگی کی طرف دعوت انسانی معاشرے کا ایک مستقل رُخ ہے۔ یہ دعوت ہمیشہ پیش کی جاتی رہی ہے اور کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ سے سرکشی تو موجود ہو لیکن اس کی بندگی کی طرف دعوت موجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑا ہے۔ البتہ جو لوگ روشنی کو دیکھ کر بھی آنکھیں بند کرلیں انہیں سامنے چمکتا ہوا سورج بھی دکھائی نہیں دے سکتا۔

دعوت اِلیٰ اللہ کے آغاز کے ساتھ ہی معاشرے کے فعّال سرکش عناصر کی طرف سے مزاحمت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور یوں خالق و مخلوق کے درمیان پردے حائل کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بلکہ مخلوق کو جبراً اپنے خالق سے بے خبر رکھ کر منحرف کرنے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ لیکن پیغامِ حق ایک شجرِ طیّب کی کونپل کے مانند ہوتا ہے جو سخت زمین کا سینہ چیر کر نمودار ہو جاتا ہے اور اس کے وجود کے اظہار میں کوئی شے بھی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ دعوت ایک ایسے یقینِ محکم کی مدد سے ایک ایسے یقینِ محکم کی طرف دی جاتی ہے جو کسی جبر و تشدد، دبا رشنہ و ناطہ کے دباؤ سے دب نہیں سکتا اور دعوت دینے والا شخص اپنی دعوت کی قوت سے اپنی ذات کی حد تک لوہے سے زیادہ سخت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط عزم کا

حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک اس کے ساتھ مل کر کام کرنے والی ٹیم کا تعلق ہے اس کا مسئلہ داعی سے ذرا کچھ مختلف ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کے پاس دعوت دوسرے درجے میں پہنچتی ہے اور اس کا یقین محکم اپنے ایثار و قربانی کے ناطے اور تناسب سے ہی ثابت ہوتا ہے۔

اسی لیے دعوت کا داعی حکمت و تدبر کے نقطۂ نظر سے اپنے ساتھیوں کے آزمائش میں پڑنے سے کبھی نہیں گھبراتا۔ وہ جانتا ہے کہ آزمائش کی بھٹی ان اینٹوں کو ایسا پکا دے گی کہ اس سے نئے نظام کا قصرِ عالیشان تعمیر ہو سکے گا، اور اگر آزمائش نہ آئے گی تو نئے نظام کی عمارت کے لیے پختہ اینٹیں تیار نہ ہوں گی۔ اس لیے آزمائش دعوت کی اپنی ایک داخلی ناگزیر ضرورت ہے۔ اس سے وہ قیادت تیار ہوتی ہے جسے نئے نظام کو چلانا ہوتا ہے۔ اگر یہ قیادت کسی صورت تیار نہ ہو تو اوّل تو وہ نظام آتا ہی نہیں اور اگر آجائے تو زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آزادی، قربانی اور جدوجہد کے بغیر نہیں ملتی اور اگر کسی صورت مل جائے تو قربانی کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔

چنانچہ دعوت کی کامیابی کا تصور داعی کی دعوت سے کہیں زیادہ اس امر کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے کہ دعوت پر لبیک کہنے والے لوگ کس تعداد میں آئے ہیں، جو آئے ہیں وہ کس درجے اور پائے کے لوگ ہیں، ان پر آزمائشیں کس نوعیت کی اور کس قدر آئی ہیں اور ان آزمائشوں میں انھوں نے کیا کردار ادا کیا ہے۔ ان افراد کی تعداد، نوعیت، طرزِ عمل اور کردار وہ چیزیں ہیں جو دعوت کے غلبہ یا ناکامی میں بہت بڑا حصہ ادا کرتی ہیں۔ دعوت الی اللہ کی فطرت میں تو اپنی ماہیت کے لحاظ سے بلاشبہ کامیابی ہی پوشیدہ ہے لیکن اس پوشیدہ کامیابی کے ظاہر کرنے اور اسے زمین پر نافذ کرنے میں اس کے ماننے والوں کا بہت غالب حصہ ہوتا ہے۔

یہ لازم نہیں ہے کہ دعوت کو قبول کرنے والا ہر قافلہ منزل تک ضرور پہنچ ہی جائے۔ جب شرائط پوری نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اس سے بے نیاز ہے کہ نفاذِ نظامِ اسلامی کی منزل تک کون پہنچتا ہے اور کون نہیں پہنچتا۔ اس کے ہاں اپنے بندوں کو نوازنے کا کوئی ایک ہی راستہ تو نہیں ہے۔ قرآن میں جن انبیاء کا ذکر آتا ہے ان میں سے بیشتر اسلامی نظام کے نفاذ کی منزل تک پہنچے بغیر ہی دُنیا سے رخصت ہو گئے اور قرآن نے ان سب کی مثالیں خدا کے کامیاب بندوں کی حیثیت سے ہی پیش کی ہیں۔

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے سامنے دعوتِ حق پیش کی اور انھیں اللہ کی بندگی کی طرف بلایا۔

انسانی تاریخ کی طویل ترین مدّتِ دعوت اس قوم کو راہ راست پر لانے کی کوشش میں صرف کی گئی - لیکن نہ تو اس قوم نے راہِ راست اختیار کی اور نہ اس قوم کے سرداروں اور سربراہوں نے وقت کے نبی کی کوئی بات چلنے دی۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ (القمر-۹)

"ان سے پہلے نوحؑ کی قوم جھٹلا چکی ہے۔ اس نے ہمارے بندے کو جھوٹا کہا، دیوانہ کہا اور جھڑک دیا۔"

حضرت نوحؑ کے بعد ایک اور معاشرہ قوم عاد کا بھی تھا - جس کے سامنے حضرت ہودؑ نے دعوتِ حق پیش کی - جس جس احسن طریقے سے ممکن تھی دعوت پیش کی گئی - لیکن ان ظالموں نے تو ہر ظالم و جابر دشمنِ حق کی پیروی کرنا پسند کیا اور اللہ کے راستے اور نبی کے بتائے ہوئے طریقے کی طرف آنے سے صاف انکار کر دیا۔

قَالُوا يٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (هود-۵۳)

"وہ بولے اے ہود، ہم تمہیں کسی سند کا حامل نہیں دیکھتے اور نہ ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہم تمہاری باتیں تسلیم کرتے ہیں"۔

پھر ایک اور معاشرہ حضرت صالحؑ کے زیر تبلیغ بھی تھا - یہ لوگ ثمود کہلاتے تھے۔ ان کے سامنے بھی حضرت صالحؑ نے پاکیزہ رنگ میں دعوتِ حق پیش کی - لیکن ان کا جواب بھی سراسر ضد، عناد اور عصبیتِ جاہلیہ پر مبنی تھا اور وہ سیدھا راستہ اختیار کرنے پر تیار نہ تھے۔

قَالُوا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ (هود-۶۲)

"انہوں نے کہا اے صالحؑ تجھ سے تو ہمیں پہلے بڑی اُمیدیں تھیں - کیا تو ہمیں ان کی پرستش سے منع کرتا ہے جن کی پرستش ہمارے آباو اجداد کرتے رہے ہیں اور ہم کو تو سخت الجھن میں ڈالنے والا شبہ ہے اس چیز کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے"۔

پھر ایک قوم وہ بھی تھی جس کو حضرت ابراہیمؑ نے دینِ حق کی طرف دعوت دی تھی - لیکن ان کا حال

یہ تھا کہ دعوتِ حق کے جواب میں جہاں قوم نے ان کے لیے آگ کا الاؤ تیار کرایا وہاں ان کے باپ نے انہیں جھڑک کر گھر سے ہی نکال دیا اور ان کی حمایت سے یکسر ہاتھ اُٹھا لیا۔ بلکہ حق کی مخالفت میں دوسروں سے بھی آگے نکل گیا اور کہا:

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا (مریم - ۴۶)

"اے ابراہیمؑ، اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ تو میرے پاس سے دُور ہو جا۔"

اسی طرح ایک قوم سے حضرت لوطؑ کو بھی واسطہ پڑا تھا جو گمراہی میں کچھ زیادہ ہی بھٹکی ہوئی تھی۔ حضرت لوطؑ نے ان کے سامنے زندگی کی صراطِ مستقیم یعنی دینِ حق پیش کرنے کی کوشش کی لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلا۔ اور انہوں نے حضرت لوطؑ کی ایک نہ سُنی، بلکہ ان کی نصیحتوں کا یہ جواب دیا۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ (الشعراء - ۱۶۷)

"اے لوطؑ اگر تو نے یہ باتیں نہ چھوڑیں تو ہم تجھے اپنے ہاں سے نکال دیں گے۔"

پھر حضرت شعیبؑ نے بھی اپنے دور کے ایک معاشرے اہل مدین اور اصحاب الایکہ کے سامنے دعوتِ حق پیش کی تھی اور انہیں بدیوں سے نکال کر نیکیوں کی طرف، کاروبار میں دھوکہ دہی سے نکال کر راست بازی کی طرف، اور ناخدا ترسی سے خدا ترسی کی طرف لانا چاہا تھا۔ لیکن ان کی دعوت کا جو جواب دیا گیا وہ یہ تھا کہ:

قَالُوْا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (الشعراء - ۱۸۶)

"کہنے لگے (اے شعیبؑ) تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے اور تو بھی ہمارے جیسا ایک آدمی ہی ہے، ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے۔"

یوں تاریخ کے مختلف ادوار میں قوموں کے مختلف معاشروں میں دعوتِ حق پیش ہوتی رہی اور قوموں کے معاشرے کی طرف سے اکثر گمراہی پہ ہی اصرار کیا جاتا رہا۔ اکثر و بیشتر تو ان قوموں کے سربراہوں نے ہی رکاوٹیں ڈالیں۔ الزام اور بہتان تراشی ان کا خصوصی ہتھیار رہا ہے۔ شیطان ہمیشہ ضد، عصبیت، ناخدا ترسی، مفاد پرستی، خود غرضی، غرور اور کبر و نخوت کے ہتھیاروں سے انہیں شکار کرتا اور راہِ راست پر آنے سے روکتا رہا۔ ان لوگوں کی اکثریت ہمیشہ خدا سے بے نیاز اور دینِ حق سے بے رغبت

ہی رہی۔ اور بعض حالات میں قائل ہونے کے باوجود اپنے چوہدریوں اور رہنماؤں کی قیادت میں دعوتِ حق سے دُور رہی اور ایک جاندار اور بہادر معمولی سی اقلیت ہی آگے بڑھ کر حق کا ساتھ دیتی رہی۔

اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں جو تحریک اُٹھائی گئی تھی اگرچہ نسلی طور پر اس تحریک کے نام لیوا لاکھوں کی تعداد میں تھے اور وہ ایک بہت مالدار قوم بھی تھی لیکن حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کی تھڑدلی اسلامی انقلاب کے اقدامات کو آگے بڑھانے میں مسلسل رکاوٹ بنتی رہی۔ جب ان سے کہا گیا کہ تم اس مقدس سرزمینِ فلسطین میں داخل ہو جاؤ جو تمہارے لیے لکھ دی گئی ہے تو انہوں نے جواب دیا۔

إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ۔ (المائدہ۔۲۴)

"اے موسیٰؑ ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ بس تم اور تمہارا رب دونوں وہاں جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں"۔

لیکن اس کے مقابلے میں وہ اسلامی تحریک جو اس دنیا میں عظیم ترین مثالی اسلامی تحریک تھی اس کے قائد و ہادیؐ و رہنماؐ نے غزوۂ بدر کے موقع پر جب اپنے ساتھیوں سے انتہائی بے سروسامانی اور کس مپرسی کی حالت میں سہل الحصول قافلے کے بجائے کفار کے بھاری لشکر سے لڑنے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اسی طرف چلیے ہم آپ کے ساتھ ہیں جس طرف بھی آپ جائیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ چلیے آپ اور آپ کا خدا دونوں لڑیں ہم آپ کے ساتھ جانیں لڑائیں گے۔ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے"۔ یہ مہاجرین کے نمائندے کا جواب تھا لیکن جب حضورؐ نے اپنا سوال دہرایا تو پھر حضورؐ کے ساتھیوں کا دوسرا گروہ جو انصار پر مشتمل تھا ان کا نمائندہ (سعدؓ بن معاذ) اُٹھا اور اُس نے کہا۔

"شاید آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ حضورؐ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپؐ کی تصدیق کر چکے ہیں کہ آپؐ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور آپ سے سمع و طاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسولؐ جو کچھ آپ نے ارادہ فرمایا ہے اسے کر گزریے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپؐ کو

…حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں لے کر سمندر پہ جا پہنچیں اور اس میں اُتر جائیں تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم کو ہرگز یہ ناگوار نہیں ہے کہ آپ کل ہمیں لے کر دشمن سے جا بھڑیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے۔ مقابلے میں جاں نثاری دکھائیں گے۔ اور بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھوا دے جسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ پس اللہ کی برکت کے بھروسے پہ آپ ہمیں لے چلیے۔"

(دیباچہ سورہ انفال تفہیم القرآن جلد دوم)

ظاہر ہے کہ جاں نثاری اور قربانی و ایثار کے ان والہانہ جذبات کے ساتھ جس تحریک کے ساتھی اپنے مقصد کا ساتھ دیں اس تحریک کے قدموں کو کامیابی و کامرانی کی منزل پہ پہنچنے اور اسلامی انقلاب برپا کرنے سے دنیا کی کوئی قوت نہیں روک سکتی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے فتح و نصرت کے بند دروازے کھول دیتا ہے اور ان پہ نصرتِ الٰہی نازل ہوتی ہے اور ان کے ہاتھوں انسانیت فلاح کا راستہ ضرور ہی پا لیتی ہے۔